روشی قبر نهیل هوی

خواجت ملاين مي



روشنی قید نہیں ہوتی

اس د نیا میں ہر آدمی ایک ریکارڈ ہے اور اس کی ساری زندگی فلم ہے۔ گھما پھر اکر بات کی جائے تو کہا جائے گا کہ عالم ناسوت کا ہر باسی ایک ڈرامہ ہے۔ ایک کہانی ہے۔ کہانی، مخضر ڈرامہ ہے۔۔۔۔۔۔۔اور ڈرامہ زندگی میں کام آنے والے کر داروں کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے۔ ایسے کر دار جو کسی ایک شخص کی انفر ادی زندگی کو بھی نمایاں کرتے ہوں اور اس کے ماحول میں جو پچھ ہے اسے بھی منظر عام پر لے آتے ہوں۔ جب ہم ڈرامہ کھتے ہیں ہمارے سامنے زندگی میں بسنے والے سارے کر دار ہوتے ہیں۔ اور جب ہم ڈرامہ دیکھتے ہیں تو ہم خو د زندگی کے ان کر داروں میں کھو جاتے ہیں جن سے ہم گزر پچے ہیں یا گزر رہے ہیں۔ عجیب کھیل تو ہم خو د زندگی کے ان کر داروں میں کھو جاتے ہیں جن سے ہم گزر پچے ہیں یا گزر رہے ہیں۔ عجیب کھیل تو ہم خو د زندگی کے ان کر داروں میں جب کوئی جھانگا ہے تو ہر شخص کی کہانی ایک جیسی نظر آتی ہے۔ ہر تمام دی وجو د میں اس زمین پر قدم رکھتا ہے اور ہر شخص د ھیرے دھیرے، لمحہ بہ لمحہ مادی وجو د سے دور ہو تار ہتا ہے۔ مادی وجو د سے دور کی اپنی جائے مسلم۔

ليكن_____

مادی وجود جس بساط پر خمودار ہو تا ہے۔ جس بساط پر آگے بڑھتا ہے اور جس بساط پر منظر سے غائب ہو جاتا ہے وہ سب کیلئے ایک ہے۔

ابھی تک سائنسی دنیامیں کوئی ایساعلم مظہر نہیں بناجواس بات کی تشریح کر دے کہ بساط کیا ہے۔



کوشش لوگوں نے بہت کی کہ بساط پر سے پر دہ اٹھ جائے مگر پر دہ تو جب اٹھے گا جب کہیں پر دہ ہو گا۔ اگر کہیں کسی کو پر دے کے بارے میں کوئی خبر مل گئے ہے تو وہ خبر بھی خو د پر دہ ہے۔ نقاب رخ الٹ دیا جائے تو بڑی سے بڑی دانشورانہ بات بعد میں بات بن کر ایک نہ سلجھنے والی گھی بن جاتی ہے۔ الی گھی جو سلجھتی نہیں۔ اگر شعور ، لاشعور اور ورائے شعور کی بھاری اور مشکل اصطلاحات کا سہارالے کر پچھ عرض کیا جائے تو وہ بات بے پر دہ ہو جاتی ہے۔ جس پر انسانی ارتقاء کی بنیا در کھی ہوئی ہے۔

ارتقاء کیاہے؟

ار تقاءیہ ہی توہے کہ۔۔۔۔۔۔

آدمی اپنی برائیوں، کمزوریوں کو تاہیوں کو چھیا تاہے۔

اور خود کو دوسروں سے اچھا ثابت کرنے کی کوشش کر تاہے۔

میں بھی کا ئنات کے ایک کنبے کا فر د ہوں وہ کنبہ جو زمین پر آباد ہے۔ مفت خوری جس کا طر ہُ امتیاز ہے۔

پیداکوئی کرتاہے۔ کہاجاتاہے ماں نے پیداکیا۔ کفالت کوئی کرتاہے کہاجاتاہے باپ نے پرورش کی۔ عقل و شعور پیتہ نہیں کہاں سے ملتاہے۔ کہاجاتاہے کہ حجروں اور مدرسوں سے شعور ملاہے۔ زمین پر دندنا تا پھر تا ہے۔ زمین کے بطن کواپنے نو کیلے خنجروں سے چیر تاہے۔۔۔۔۔۔۔۔اس میں دانہ ڈالتاہے اور زمین سے خراج وصول کرتاہے۔ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ زمین کا بھی کوئی حق ہے۔





جس نے زمین دی جس نے ایک پھوٹی کوڑی گئے بغیر پانی دیا، ضرورت سے بہت زیادہ وافر مقد ارمیں ہوا دی
اس کا تذکرہ آبھی جائے تو ایسالگتاہے کہ بے کاربات کی جارہی ہے۔ بڑا ہو، چھوٹا ہو، کم عقل ہویا دانشور،
غریب ہویا دولت کا پجاری قارون سب مفت خورے ہیں۔ نہ صرف مفت خورے ہیں احسان فراموش بھی
ہیں۔

یہ بات میں نے (جب کے میں بھی مفت خوروں کی فہرست میں اول نمبر پر ہوں) اس وقت جانے کی کوشش کی تھی جب میر ک دادی امال زندہ تھیں، میر ک دادی امال پو پلے منہ کی نہایت حسین و جمیل خاتون تھیں۔ بھی مجھے لگتا کہ دادی امال کا چہرہ چاند ہے اور اس چاند کی رو پہلی کر نیں صحر امیں ریت کے ذرات میں چمک منتقل کررہی ہیں۔ بھی مجھے دادی امال گلاب کا پھول نظر آتیں۔

دادی اماں کی عینک کے موٹے بھاری گلاس کے پنچے مجھے ان کی آئکھیں غزال چیثم نظر آئیں۔اور جب میں دادی اماں کے عینے کے میں بانہیں ڈال کر ان کی آئکھوں میں اتر جانے کا سپنا دیکھا تو دادی اماں مجھے سینے سے چمٹا کر اتناپیار کر تیں کہ میرے اوپر خمار چھاجا تا اور میں ان کی گود میں دودھ پیتے بیچے کی طرح سوجا تا۔

حچوڻامنه، برڻي بات!

ایک دن میں نے دادی امال سے یو چھا۔۔۔۔۔

میں کون ہوں۔۔۔۔میری ماں ساتھ کھڑی تھیں۔ انہوں نے سنا تولگا کہ ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور مجھے دادی امال کے پاس سے گھسیٹ کر اپنے وجو د میں سمیٹتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔

اے لڑکے! توبہ کیسی باتیں کر تاہے۔ کیا تیرے اوپر کوئی۔۔۔۔۔ تو نہیں ہے۔





بہو!خداکے غضب سے ڈرو۔ایسی بات کبھی زبان سے نہیں نکالتے۔

ميرى مان بولى!

تائی جی۔ دیکھو تو سہی۔ لڑ کا کیا بول رہاہے۔ پوچھتاہے میں کون ہوں۔۔۔۔۔

اس کی عمر تو دیکھو، اے اللہ تو اس کو حفظ وامان میں رکھ۔

دوسرے دن دادی امال کے نرم و گرم۔ دادی امال کی خوشبو سے مہکتے لحاف میں پھر میں نے یہی سوال دہر ا دیا۔

دادی امال نے مجھے ایک ایس کہانی سنائی۔ کہانی سنتے سنتے نیند کی دیوی مجھے آسانوں میں اڑا کر لے گئی۔۔۔۔۔۔۔

بس اتنایاد ره گیا۔

بیٹا! تیرانام میں نے رکھاہے۔ تومیر اسورج ہے۔

جیسے جیسے ماضی پر دے میں غائب ہو تار ہا۔ حال سے پنجبہ کشی جاری رہی۔ حال کی ہر سیڑھی چڑھتے وقت دماغ کے کسی گوشے سے بیہ آواز آتی۔

بیٹاتومیر اسورج ہے۔

میں سوچتا کہ۔۔۔۔۔



سورج روشنی ہے۔

سورج زند گی ہے۔

سورج ہر فرد کے لئے توانائی ہے۔

میں سورج کس طرح ہوں۔ میر اوجود توخود توانائی کا محتاج ہے۔ میرے وجود میں اندھیرے عفریت بن گئے ہیں۔ میری زندگی اسپیس میں بند ہے۔ روشنی تو قید نہیں ہوتی روشنی کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ افتاں و خیز ال ماہ وسال گزرتے رہے۔ بھوک اور افلاس نے منہ چڑایا تو آسمان سے نعمتوں کی بارش برسی، اپنوں نے د کھ دیئے توغیر وں نے زخموں کو مند مل کرنے کے لئے بھوئے رکھے۔

بے سر وسامانی میں وحدت کا جلوہ دیکھا۔خو شحالی میں خود کو کبر کی تصویر بنتے دیکھا۔

خاد نانی و قارسے دوسرے لوگ بونے نظر آئے مگر ہر قدم پر اور ہر برائی کے وقت دادی امال کے بیہ الفاظ میرے اندر گونجتے (Echo)رہے۔۔۔۔۔۔۔

بیٹاتومیر اسورج ہے۔

یہ الفاظ کبھی مجھے برائیوں کی تمازت سے حجلس ڈالتے اور کبھی دادی اماں کی روح میرے اوپر سابیہ فکن ہو جاتی۔

ا یک روز جب میں دریائے ہلاکت و تاریکی میں ڈوب کر مر جانا چاہتا تھا۔ دادی اماں کی روح نے مجھے سہارا دیا اور کہا۔



تیرے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہو چکی ہے۔

انسانی شاریات سے بہت زیادہ ایک عظیم بندہ تیرے اوپر اپنی شفقتیں محیط کر دے گا اور بیٹا!

تومیر اسورج ہے۔

تيري روشي تھيلے گي۔

دادی امال کے الفاظ

"بیٹاتومیر اسورج ہے۔"

بھول کے خانے میں جاپڑے۔ لیکن دادی امال کے بیر الفاظ عظیم بندہ ملے گا۔

میرے خون کے ساتھ میرے اندر مسلسل گونجتے رہے۔ میں نے

سجدے میں گر کر اللہ کے حضور دعا کی،التحا کی:

اے اللہ! عظیم بندہ ملادے۔

اے اللہ! عظیم بندہ ملادے۔

اے اللہ! عظیم بندہ ملادے۔



اور الله كاوه فرستاده عظیم بنده مجھے مل گیا۔

جس کانام اسم گرامی حضرت محمد عظیم برخیاالمعروف حضور قلندر بابااولیاءؓ۔۔۔

میرے اندر کی آتما کو قرار آگیا۔ تاریک زندگی روشن ہوگئ۔ مجھے اجالا مل گیا۔ ایسالگا کہ یوم ازل میں اس عظیم بندہ پر میری روح قربان ہوگئ تھی۔ دھیرے دھیرے میرے اندر کا سورج جو شک۔ اور بے یقین سے گہنا گیاتھا، افق سے باہر آیا اور اس سورج نے نیئر تابال بننے کے لئے سفر شروع کر دیا۔

حضرت محمد عظیم سے راہ ورسم بڑھی، جذبات واحساسات محبت بن گئے۔ پھر محبت نے عشق کاروپ دھارلیا اور عشق مجازی سرایاعقیدت کی تصویر بن گیا۔

• ۱۹۵۰ء جنوری کی ایک صبح ایک دوست کی تلاش میں اخبار ڈان کے دفتر میں گیا تو وہاں ایک صاحب سے دعا سلام ہو گئی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا پر سکون چېره دیکھ کر دل اتھل پتھل ہو گیا۔ شگفتہ شاداب اور پر سکون چېره، آئکھوں میں کیف ومستی کا خمار، مر دانہ وجاہت کی تصویر۔۔۔۔یقین نہیں آیا کہ اس زمانہ میں کسی بندے کو اتنا سکون میسر آسکتا ہے۔ سریلی شیریں مگر مر دانہ بھاری آواز میں بندہ نے کہا:

"تشریف رکھیں کیاکام ہے؟"

اور پھر گفتگو کاسلسلہ چل نکلا۔ اس وقت بھر پور جوانی کے منہ زور گھوڑے کی رکابیں میں نے مضبوط ہاتھوں سے تھام رکھیں تھیں۔۔۔۔۔ عظیم بندہ نے میر می عمر اور میرے جذبات کی مناسبت سے دو شعر سنائے۔ آئکھول میں چیک اور خمار کے سرخ ڈورے میر کی آئکھول میں دیکھ کر عظیم بندہ نے دل پر نشتر رکھ دیا۔





محبت کرتے ہو۔۔۔۔۔ میں گم سم ہو گیا۔ ایک حجاب تھاجو میرے اوپر چھا گیا۔۔۔۔۔ پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک گئیں۔۔۔۔۔میرے اندر کاچور پکڑا گیا۔

محبت کرتے ہو، بے وفائی کے ساتھ

بے وفابننا، محبت کے ساتھ اس دنیا کی ریت ہے

میں بو حجال قد موں سے اٹھاسلام کیا۔ کہا، پان تو کھاتے جائے۔ میں جس دوست کی تلاش میں گیا تھاوہ نہیں ملا۔ مگر مجھے مستقبل کا دوست مل گیا۔ ایسادوست جو پہلی ہی ملا قات میں میرے دل میں اتر گیا۔

نیا نیا پاکستان بنا تھا۔ ہندوستان سے آنے والے لوگ اپنے سیائل میں گھرے ہوئے تھے۔ شہزادیاں ٹاٹ کے پر دوں میں بندرروڈ کے فٹ پاتھوں پر حیات وزیست کے معاملات میں ابجھی ہوئی تھیں۔ کبر و نخوت کی بڑی بڑی نصویریں آرام باغ کی پھر یلی زمین پر شب بسری پر مجبور تھیں۔۔۔۔۔ جن خواتین کا کسی نے آنچل نہیں دیکھا تھا وہ حوائے ضروریہ کے لئے قطار در قطار کھڑی نظر آتی تھیں۔ جن مردوں و خواتین نے کبھی ناک پر مکھی کونہ بیٹھنے دیا تھا۔۔۔۔۔وہ بھیک کے بڑے بڑے بڑے پیالے لے کر ناشتہ اور دو پہر کی روٹی کے لئے انتظار کرتے تھے۔ زیادہ لوگ ایسے تھے جو خورد و نوش اور رہائش کے لئے فکر مند سے۔ ہم طرف ہر آدمی پریشانی کا پیکر تھا۔

میں بھی انہی میں سے ایک فرد تھا۔

میں نے پاکستان کی تخلیق میں کیا کچھ نہیں دیکھاہے؟





بڑے شہر میں ایک گھرسے جب کیمپ میں جانے کے لئے باہر نکلے تو سڑ کوں پر مسلمانوں کی لاشیں دیکھیں، سڑک پار کرنے کے لئے مجھے سوچنا پڑا کہ میں اپنے بھائیوں اور اپنے بچوں کی زخمی سر بریدہ لاشوں پرسے کیسے گزروں مگر جب کوئی چارہ کار نہیں رہا۔۔۔۔۔ تو پنجوں کے بل گزر گیا۔

دیکھا کہ چوباروں سے خون ٹیک ٹرجم گیا ہے۔ نالیوں میں پانی کے ساتھ خون بہہ رہاہے۔ قر آن پاک کے مقد س اوراق سر ک پر بکھرے پڑے ہیں۔ میں اللہ کی کتاب کے نورانی اوراق اٹھاتے اٹھاتے اور لمب کرتے کے مقد س اوراق میں جع کرتے شیر ال والا دروازہ میں سے باہر نکل آیا۔ وہاں غیر مسلم فوجی کھڑے سے دامن میں جمع کرتے کرتے شیر ال والا دروازہ میں سے باہر نکل آیا۔ وہاں غیر مسلم فوجی کھڑے سے ۔ مجھے ایک فوجی نے وار ننگ دی اور بندوق میری طرف تان لی۔ میں نے اس سے اس ہی کی زبان میں کہا۔

اگر گر نتھ صاحب کے اوراق اس طرح زمین پر ہوتے تو کیاتم انہیں نہ اٹھاتے؟

فوجی بندوق پر ہاتھ مار کر اٹینشن ہو گیااور دونوں ایڑیوں پر گھوم گیا۔

میری آنکھوں سے آنسوؤں کاسیلاب بہہ نکلااور میں سوچنے لگامسلمان اتنا بے حس ہو گیاہے کہ اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ قرآن کی بے حرمتی ہور ہی ہے۔

جو قافلے ریلوں میں سفر کر کے آئے ہیں انہیں آج بھی یاد ہے کہ ریلوں کی چھتوں پر نخ بستہ ہواؤں میں انہوں نے سفر کیا ہے۔ جو جہاں گر گیاوہ وہاں مر گیا، بے گور و کفن لاشیں ریلوے لائن کے دونوں اطراف نظر آرہی تھیں۔ ہماری پاک فوج ریلوں میں آنے والے قافلوں کی محافظ نہ ہوتی تو شاید وہاں سے ایک فرد کھی یاکتان زندہ نہ آتا۔





روشنی قید نہیں ہوتی

ان حالات میں کیسے کسی کے چہرے پر سکون مل سکتا ہے۔ میں ایک ٹوٹا ہواریزہ ریزہ بھر اہواانسان تھا۔ مستقبل کی روشنی اتنی مدہم تھی کہ بے یقینی میں اضافہ ہو تا چلا گیا اور اطمینان قلب لگتا تھا تقدیر سے نکل گیا ہے۔

ایسے میں ایک بندہ ملاجو پر سکون تھا، خوش تھا۔ گو کہ لباس بہت معمولی تھا، گو کہ ایک جھو نیر اتھا، گو کہ بظاہر مالی وسائل محدود تھے، مگریہ بندہ خوش تھا۔ فکر فرداسے آزاد تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ جدوجہد جاری رہی اور اتنازیادہ منہمک ہو گیا۔ سکون نام کی کوئی شئے قریب نہیں رہی۔ دنیاوی رنگ و دواور حرص وہوس میں عظیم بندے کاعظیم چہرہ بھی دھند لاگیا

دادى امال كى بات

_____بیٹاانتظار کر____

بھی ذہن سے نکل گئی۔

جب میں دنیامیں اچھی طرح لتھڑ گیا، کثافت میرے جسم کا میل بن گئ، وسوسوں نے زندگی کوبے کیف کر دیا۔ خوف نے لقمہ تر سمجھ کر مجھے نگل لیا۔ جھوٹی انا اور پر فریب و قار کے جال میں بے دست و پاہو گیا تو۔۔۔۔۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ۔۔۔۔۔



بزرگ نے مجھے نہلا دھلا کر سفید چادر میں لبیٹااور کہا:

دادی کے پاس جانا ہے۔۔۔۔۔؟

آنکھ کھلی تود نیابدل چکی تھی۔ کانوں میں دادی اماں کی آواز آنے لگی۔

بیٹا! تواتنا بو دااور کمزورہے کہ سب بھول گیا۔

تواللہ کی دی ہوئی نعمت کو بھی بھول گیا۔

ظہر کی نماز کے وقت سے مغرب کی نماز تک مسجد میں بیٹھنامیر امعمول بن گیا۔ ایک ہی بات ور د زبان تھی۔

"اے الله! اپنا فرستادہ عظیم بندہ ملادے۔"

الله سے اپنی کو تاہی کی معافی مانگتا تھا۔ آہ وزاری کرتا تھااللہ کو یکارتا تھا۔

"اے الله! عظیم بندہ کہاں ڈھونڈوں؟"

تلاش میں پیرتھک گئے۔ دل ڈوب گیا، آنکھیں پتھر بن گئیں۔ نیندروٹھ گئی۔

بھوک و پیاس نے منہ موڑ لیا۔



دوستوں نے کہا وظیفوں کی رجعت ہو گئی۔۔۔۔۔عاملوں کاملوں نے اشارہ کیا۔ آسیب لیٹ گیا ہے۔۔۔۔۔کوئی جادوٹونے کا چکرہے۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ میں اپنی آگ میں جلتارہا۔ قریب تھا کہ مادی وجود جل کر کو کلہ بن جائے کہ

عصر کے بعد اور غروب آ فتاب سے پہلے

یه خبر کانوں میں رس گھول گئی۔۔۔۔۔

بھائی عظیم نقاد کے دفتر میں کام کرتے ہیں۔

ا قال و خیز ال ر هر گئے دل کے ساتھ محبوب کے حضور حاضری ہوئی۔ پہلی مرتبہ وصال کی لذت سے آشا ہوا۔

اسر ارور موزسے بھرے ہوئے سینے سے مجھے چیٹالیا۔

پیشانی پر بوسه دیا، آنکھوں کو چوما۔۔۔۔۔عید ہو گئی۔

آند ھی، برسات، گرمی، سر دی روزانہ شام کے وقت دوسال تک محبوب کا دیدار ہو تارہااور پھر محبوب نے اپنے قد موں سے چل کر میرے گھر کو اپنے نور سے منور کر دیا۔ گھر میں رونق آگئی۔ طویل عرصہ تک شب و روز محبوب کے قد موں میں زندہ رہا۔ کو تاہ بینی سے مجھی محبوب کی نظر میں اپنائیت نہیں دیکھا تھا تو میں موت کے گلے لگ جاتا۔



موت اور زندگی کی لڑائی میں محبوب نے تبھی موت کی فتح کو قبول نہیں کیا۔

دماغ آج تک پیه فیصله نہیں کر سکا که محبوب کون ہے، میں یامیری زندگی؟

عنایات خسر وانہ اور لطف و کرم یہ بتا تا ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ عظیم بندہ کو اپنا محبوب کہوں۔ عظیم بندہ خو د ہی محب ہے اور خو د ہی محبوب۔

میں نے اس عظیم بندے کے چودہ سال کے شب و روز دیکھے ہیں۔ ذہنی، جسمانی اور روحانی معمولات میں نے اس عظیم میرے سامنے ہیں۔ میں نے اس عظیم بندہ کے دل میں رسول الله مَلَّى اللهُ عَلَیْ اللهُ کَا اللهُ عَلَیْ الله کو دیکھا ہے۔ میں نے اس عظیم بندہ کے نقطۂ وحدانی میں کا ئنات اور کا ئنات کے بندہ کے من مندر میں الله کو دیکھا ہے۔ میں نے اس عظیم بندہ کے نقطۂ وحدانی میں کا ئنات اور کا ئنات کے اندر اربوں کھر بول سنکھول مخلوق کو ڈوریوں میں باندھے ہوئے دیکھا ہے۔

میں نے دیکھاہے کہ کا ئنات کی حرکت اس عظیم بندہ کی ذہنی حرکت پر قائم ہے۔اس لئے کہ یہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ میں نے اس بندہ کی زبان سے اللہ کو بولتے سناہے۔

گفته اور گفته الله بود

گرچه از حلقوم عبد الله بود

عظیم بندہ جسے آسانی دنیامیں فرشتے قلندر بابا اولیاءؓ کے نام سے پکارتے ہیں، نے مجھے خود آگاہی دی ہے۔ ڈر اور خوف کی جگہ میرے دل میں اللہ کی محبت انڈیل دی ہے۔ قلندر بابا اولیاءؓ نے میری تربیت اس بنیاد پرکی ہے کہ یہاں دو طرز فکر کام کررہی ہیں۔





ایک شیطانی طرز فکرہے جس میں شک، وسوسہ، حسد، لالچ، نفرت، تعصب اور تفرقہ ہے۔

دوسری طرز فکر انبیاء کی طرز فکر ہے۔ جس میں محبت، اخوت، خلوص، صدق مقال، ایثار، اللہ کی مخلوق سے محبت اور خود اپنی روح سے محبت کے تقاضے ہیں۔ جو بندہ اللہ کی محبت سے آشا ہو جاتا ہے اسے اللہ اپنا دوست بنالیتا ہے اور جو بندہ تعصب، تفسر قد اور خود نمائی کے خول میں بندر ہتا ہے اسے شیطان اپنا دوست بنالیتا ہے۔



